دینِ ابراہیمؑ اور ریاستِ اسرائیل
قرآن مجید کی روشنی میں

تالیف : عمران این حسین

اردو ترجمہ : سید افتخار احمد

نیویارک کی مسجد دار القرآن کے امام جناب عمران این حسین کی انگریزی تصنیف
*The Religion of Abraham and the State of Israel —
A View from the Quran*
کا اردو ترجمہ بالاقساط ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ کتاب کل چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پیشِ نظر شمارے میں کتاب کے "تعارف" کا اردو ترجمہ شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ باب اول سے کتاب کا باقاعدہ آغاز آئندہ شمارے سے کیا جائے گا (ان شاء اللہ)

فاضل مصنف نے اس کتاب میں بڑی خوبی اور استدلال کے ساتھ وضاحت کی ہے کہ کس طرح یہود نے تورات میں تحریف کے ذریعے میثاق ابراہیمیؑ سے حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی نسل کو خارج کر دیا۔ نیز قرآن مجید کی روشنی میں عالم اسلام کے لئے ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بارے میں زبردست تنبیہ کی ہے۔ مصنف کے بقول مسلمان افراد یا اسلامی حکومتیں، جو ریاست اسرائیل کو تسلیم کریں گے، وہ ازروئے قرآن منافق شمار ہوں گے۔ (ادارہ)

تعارف

۱) تسلیم کرنے میں تذبذب

اسرائیل کی یہودی ریاست کو تسلیم کیا جائے یا نہ تسلیم کیا جائے، آج کی مسلمان حکومتوں کو یہ مسئلہ درپیش ہے۔ ان کے تذبذب کا باعث یہ ہے کہ غیر یہودی دنیا کی طرف سے یہودی ریاست کے عالمی سطح پر تسلیم کئے جانے اور پھر اس کی حفاظت اور قائم رہنے میں آج جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ اسلام اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ماننے

والے ہیں۔ تہی دست مسلمان مستقل طور پر ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنے کی مخالفت کررہے ہیں۔ اور اسلام وہ خاص قوت ہے جو دوبارہ عالمی سٹیج پر اُبھر رہی ہے۔ اس کے برعکس دُنیامیں "مسلمانوں" کا ایک شکاری گروہ اپنے مفادات کے لئے اسرائیل کو تسلیم کرنے کی کوشش میں ہے اور اسے انہوں نے "طریق امن" کا نام دیا ہے۔ مصر' پاکستان' ملائشیاوغیرہ کے یہ "مسلمان" لٹیرے جو حکومت کرنے اور مراعات حاصل کرنے کے عادی ہیں' انقلابِ اسلام کے غلبہ سے خوف زدہ ہیں۔ ان کے لئے بڑا خوف وہ سلوک ہے جو ایران کے اسلامی انقلابیوں نے اپنے ملک کے لٹیروں سے کیا۔ چنانچہ اسرائیل کو تسلیم کرنے پر زیادہ زور انہی خوف زدہ "مسلمان" لٹیروں کی طرف سے ہے' کیونکہ انہیں استحصال زدہ مسلمانوں اور اسلام کے ٹھوس اور غیر مصالحانہ انصاف سے اپنی تباہی کا خوف دامن گیر ہے۔ یہ نوشتۂ دیوار تقریباً دس ارب مسلمانوں پر حکومت کرنے والے ان لٹیروں کے لئے ہے جو ایک دوسرے کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے کی انتھک کوشش بھی یہی لوگ کررہے ہیں۔ اس کے ساتھ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی طرف سے بھی زور دیا جا رہاہے' اور مغرب کی پیدا کردہ اُن عالمی تنظیموں کی طرف سے بھی جو ان کی خدمت کر رہی ہیں' مثلاً اقوام متحدہ' ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف وغیرہ۔ اس ضمن میں یہودی استعمار کا اِن حکومتوں کی خارجہ پالیسی اور ان تنظیموں کی قوتِ فیصلہ پر بڑھتا ہوا اثر و رسوخ' اسرائیل اور مغربی سرمایہ داری اور جمہوریت پر مبنی نظام کو اسلام سے لاحق مستقل خطرہ' اور اس لادینی نمونۂ حیات کو اسلام سے لاحق خطرہ' جو ان سب کو برقرار رکھے ہوئے ہے ـــــ یہ تمام عوامل اس دباؤ کے پس پشت کار فرما ہیں جو آج مسلمانوں کو درپیش ہے۔

مسلمان حکومتوں کی قوتِ برداشت اس دباؤ کے مقابلہ میں دن بدن کمزور ہو رہی ہے' جس کی وجہ سیاسی و عسکری کمزوری اور معیشت پر سودی[1] شکنجہ کی سختی میں اضافہ ہے۔ دراصل "نئے عالمی نظام" میں غلبے کا جو کھیل کھیلا جارہاہے اس کی بنیاد عسکری دباؤ اور معاشی استعمار ہے۔ اسرائیل کی یہودی ریاست کی بقا اور استحکام میں یہ کھیل سب سے زیادہ زور اور استقامت کے ساتھ کھیلا جارہاہے۔ چونکہ مغربی دُنیامیں ذرائع ابلاغ

اس حقیقت کو ظاہر نہیں ہونے دے رہے لہٰذا امریکہ میں بے شمار عیسائی اور یہودی اس سے ناواقف ہیں۔

ترکی، مصر، اردن اور پی ایل او (P.L.O) نے اسرائیل کو تسلیم کرلیا ہے۔ سعودی عرب اسرائیل کا سب سے بڑا ہدف ہے، کیونکہ یہ اسلام کا مرکز ہے جس میں حرمین کی سرزمین (مکہ اور مدینہ کے متبرک مقامات)، حج (مکہ مکرمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا خانہ کعبہ) اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم واقع ہیں۔ جب تک سعودی عرب اسرائیلی ریاست کو تسلیم نہ کرلے اس یہودی ریاست کو تسلیم کئے جانے کی تمام کوششیں بار آور نہیں ہونگی۔ لیکن جونہی سعودی عرب اس یہودی ریاست کو تسلیم کرتا ہے دُنیا اُن قوتوں کے مظاہرہ کا مشاہدہ کرلے گی جو یہودی ریاست اور صیہونیت کی بقا کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں[۲] سعودی عرب میں اندرونی خلفشار کے شروع ہونے کا ثبوت ۱۹۹۵ء کا ریاض میں امریکی فوجی ٹریننگ سینٹر پر بم دھماکہ ہے جس سے چھ اموات اور ساٹھ سے زائد لوگ زخمی ہوئے۔ پھر جون ۱۹۹۶ء میں دوسرا بڑا بم دھماکہ ہے جس میں اٹھارہ امریکی سپاہی مارے گئے اور ۴۰۰ کے قریب زخمی ہوئے۔ ان بم دھماکوں سے دُنیا کو سعودی عرب کے اندرونی خلفشار کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ اس اختلاف کی ایک بنیادی وجہ سعودی عرب کا ایک اسلام دشمن مغربی طاقت کے ساتھ حاشیہ نشینی کا تعلق ہے۔ اسرائیل کو تسلیم کیا جانا سعودی حکومت کے اندرونی خلفشار کو بڑھانے کا باعث ہوگی۔

اسرائیل کے الیکشن ۱۹۹۶ء میں لکڈ پارٹی کی کامیابی اور بنجمن نتن یاہو کی بطورِ اسرائیلی وزیراعظم تقرری، اسرائیل کی قدیم یہودی ریاست (جو حضرت داوٗد علیہ السلام نے قائم کی تھی) کے دوبارہ قیام کے لئے نقیب بن کر سامنے آئی ہے۔ ہمارا دَور اس قیام کی تجدید کا آخری مرحلہ ثابت ہوگا۔ یعنی وہ صورتحال جس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر جدید ہوگی، جس کے لئے مسجد اقصیٰ کو مسمار کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ مسجد کا مسمار کیا جانا سعودی حکومت کے لئے بہت سے خطرناک مسائل کھڑے کردے گا۔ نتیجتاً سعودی حکومت حج بند کردے گی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت ہوگا جس میں آپؐ نے یاجوج ماجوج کے آزاد ہونے اور حج کے بند ہونے کے متعلق فرمایا تھا:

> ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگ یاجوج ماجوج کی آزادی کے بعد بھی کعبہ کا حج اور عمرہ ادا کرتے رہیں گے"۔

شعبہ رضی اللہ عنہ نے مزید روایت کیا کہ :

"قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ کعبہ کا حج بند ہو جائے" (رواہ البخاری)

سعودی حکومت حسب معمول "انتظار" کا کھیل کھیل رہی ہے اور اپنے آپ کو ممکن حد تک اسرائیل کو تسلیم کرنے کے خطرات سے بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ دوسری مسلم حکومتوں بالخصوص پاکستان اور ملائشیا پر مزید دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کریں۔ سعودیوں کے خیال کے مطابق پاکستان اور ملائشیا غیر عرب اسلامی دنیا میں اہم ترین ہیں۔ اور ان کے اسرائیلی ریاست کو تسلیم کرنے پر غیر عرب اسلامی دنیا میں رائے عامہ پر مطلوبہ اثر پڑے گا۔ مصر' اردن اور ترکی کے ساتھ ساتھ پاکستان اور ملائشیا کے اسرائیلی ریاست کو تسلیم کرنے کے بعد سعودی حکومت کے لئے اسے تسلیم کرنا ایران یا سوڈان کی طرف سے چنداں خطرے کا باعث نہیں ہو گا۔

لیکن سعودی عرب کے پاس اسرائیل کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ یہ پہلے ہی امریکہ کی حاشیہ بردار ریاست ہے اور اسے اپنی بادشاہت قائم رکھنے کے لئے امریکہ پر انحصار کرنا ہے۔[۳] شاہ فیصل مرحوم نے حاشیہ برداری کے کردار میں مضمر خطرہ کو بھانپ لیا تھا اور انہوں نے سعودی عرب کو اس سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کی اس پالیسی نے اسرائیل کے لئے بہت بڑا خطرہ پیدا کر دیا۔ چنانچہ انہیں فریب سے قتل کر دیا گیا اور تیل کے ذخیرہ پر شکنجہ سخت کر دیا گیا۔ اگر سعودی عرب کی اس حاشیہ برداری کو چھپانے کی کوئی کوشش تھی بھی تو وہ ۱۹۹۰ء کی خلیجی جنگ نے صاف ظاہر کر دی اور اب شکنجہ پہلے سے بھی زیادہ جکڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ جلد یا بدیر سعودی عرب کو امریکی دباؤ کے تحت یہودی اسرائیل کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ نوشتۂ دیوار ہے۔ اب صرف وقت کی بات ہے کہ یہ حقیقت کب آشکارا ہوتی ہے۔

زیر نظر کتاب وحیٔ الٰہی کی بنیاد پر ان خطرات کو منکشف کرنے کی کوشش ہے جو اسلامی دنیا کی مغرب پرست حکومتوں کو ریاست اسرائیل کے تسلیم کرنے کے دباؤ کی صورت میں درپیش ہے۔ اس میں درج معلومات ان حکومتوں کے لئے وارننگ ہے جنہوں نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے اور جو تسلیم کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں (بالخصوص پاکستان اور ملائشیا)' یہ کتاب ان بے شمار خطرات کے متعلق متنبہ کرتی ہے جو اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بارے میں دورُخی شاطرانہ سیاسی پالیسی میں مضمر ہیں اور جو واضح طور پر

ریاست اسرائیل کے قیام کو تورات کے مسخ ہونے کا منطقی نتیجہ ثابت کرتے ہیں۔ اسرائیلی ریاست جھوٹ اور فریب پر قائم ہوئی ہے اور قرآن مجید کا اعلان ہے کہ سچائی جھوٹ پر غالب آکر رہے گی۔ جو لوگ فریب کاری میں مبتلا ہوتے ہیں وہ لازماً اپنے آپ کو اس میں تباہ کرلیتے ہیں' مگر وہ اس تباہی کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے اپنے فریب نے ان کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور یہی ان کے انجام کا سبب بنتا ہے۔

> ''وہ اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو' اور اس کا شعور نہیں رکھتے''۔ (البقرہ ۲:۹)

اس جھوٹ اور فریب کو سمجھنا لازم ہے جو اسرائیل کی ریاست کے قیام اور اس کی بقاء سے متعلق ہے۔ نیز اس کے لئے مذہبی تاریخ بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسرائیل کے بارے میں تقدیر کے خدائی فیصلہ کی پیشگی سمجھ ضروری ہے۔ لہٰذا ہم نے اس کتاب کا موضوع ''دینِ ابراہیمؑ اور ریاست اسرائیل' قرآنی نقطۂ نظر سے'' منتخب کیا ہے۔

ب) اسرائیل کے قانونی جواز کا بنیادی مطالبہ

اسرائیل کی یہودی ریاست کو تسلیم کرنے کا عمل درحقیقت اسرائیل کے قانونی جواز کو تسلیم کرنا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ریاست کو تسلیم بھی کریں اور یہ بھی کہیں کہ یہ ناجائز ہے۔ ریاست اسرائیل کے قانونی جواز کو تسلیم کرنے اور دُنیا کی کسی دوسری ریاست کے جواز کو تسلیم کرنے میں بنیادی فرق ہے۔ وہ یہ کہ :

۱) اسرائیلی ریاست کے تسلیم کرنے میں یہودیوں کے اس بنیادی مطالبہ کو تسلیم کرنا آپ سے آپ شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ متبرک سرزمین (یعنی فلسطین) ہمیشہ کے لئے فقط ان کو دی ہے۔ بلکہ آج تک یہ سرزمین ان ہی کی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی ہے۔ یہی ان کا مطالبہ ہے جس کی بنیاد تورات پر ہے۔

۲) فلسطین کی سرزمین تورات اور قرآن میں متبرک کہی گئی ہے۔ یہودیوں کا یہ نظریہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا تھا اور یہ میثاق ابھی تک قابل عمل ہے' اور یہ کہ اللہ کے ساتھ خاص تعلقات کی بناء پر انہیں قانوناً اس سرزمین کے حصول کا حق ہے' اور اس پر عملاً قبضہ کرنے میں کامیابی ان کے مذہب اور ان کے مطالبہ کو جائز اور برحق ثابت کرنا ہے۔ اسرائیلی

ریاست کو تسلیم کرنے کا مطلب اس متبرک سرزمین پر قبضہ کے یہودی حق کو تسلیم کرنا ہے اور اس طرح یہودیت کی سچائی کا دعویٰ درست قرار دینا ہے۔

لیکن جب ہم قرآن مجید میں یہود کے ان دعاوی کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان دعاوی کو تسلیم کرنا شرک ہے۔ (۴) بہت سے مسلمان شرک کے اس عمل سے دیانت داری کے ساتھ بچے ہوئے ہیں۔ اسلامی دُنیا کے بے شمار مسلمان اسرائیل کو جائز ریاست تسلیم نہیں کرتے۔ دراصل سابق اسرائیلی وزیر اعظم رابن کے P.L.O کے چیئرمین یاسر عرفات کے ساتھ ناچار مصافحہ (جس سے خطہ میں امن کی توقع کی گئی) کا مطلب یہ تھا کہ اسلام سے اسے اور سیکولر فلسطینی قوم پرستی دونوں کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ اگر فلسطین میں اسلامی جدوجہد نہ ہوتی تو رابن عرفات مصافحہ کبھی نہ ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر کسی طرح یہ اسلامی جدوجہد ختم کی جاسکتی تو اسرائیل کی P.L.O کے ساتھ مفاہمت تحصیل حاصل ثابت ہو جاتی۔

یہودیوں کے اس متبرک سرزمین پر خدائی حق کے دعویٰ نے یہودیوں اور ''قیامِ امن'' کے لئے خوفناک صورتحال پیدا کر دی ہے۔ کیونکہ تورات کا یہ اعلان کہ:

''جہاں جہاں تمہارے پاؤں کا تلوا ٹکے وہ جگہ تمہاری ہو جائے گی''۔ (استثنا ۱۱: ۲۴)

قیامِ امن کے لئے اس سرزمین کی سودے بازی اس خدائی حق کے دعویٰ کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے۔ درحقیقت یہ موجودہ تورات سے غداری کے مترادف ہے اور اتنی قابل ملامت کہ اس سے بڑے پیمانے پر قتل وغارت ہو سکتی تھی۔ ایک بنیاد پرست یہودی کے ہاتھوں وزیراعظم رابن کا قتل تورات سے اسی غداری کا شاخسانہ ہے۔ پھر بھی قیام امن کے لئے اس زمین کی سودے بازی دراصل اس بپھری ہوئی اسرائیلی قوم کی اسلام کے ساتھ فیصلہ کن تصادم سے بچنے کی آخری ممکن کوشش ہے۔

الغرض، اسرائیل کی یہودی ریاست کے جواز کا بنیادی دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کنعان (موجودہ فلسطین اور اس کے ملحقہ علاقے) کی متبرک سرزمین بنی اسرائیل کو ہمیشہ کے لئے عطا کی تھی۔ یہودیوں کا یقین ہے کہ یہ متبرک سرزمین اس جدید دور میں بھی ان کی ہے، وہی اس کے بلا شرکت غیرے مالک ہیں، چنانچہ عرب مسلمانوں کو، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، اور جنہوں نے یہودی ریاست کی

پوری تاریخ میں دوبارہ اسرائیل کی ریاست کے قائم ہونے تک ۱۴۰۰سال اس سرزمین پر اپنا قبضہ اور کنٹرول قائم رکھا' اس پر کوئی حق حاصل نہیں تھا' بلکہ اس کے کسی حصہ پر یہودیوں کے ساتھ شراکت کا حق بھی نہیں تھا۔ یہودیوں کے اس بنیادی عقیدہ کی وجہ ان کا یہ خیال ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام اس عہد یا میثاق میں شامل نہیں تھے جس میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے وعدہ فرمایا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ وعدہ خالصتاً ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسحاق علیہ السلام اور ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام (اسرائیل) اور ان کی اولاد (بنی اسرائیل) کے لئے ہی تھا۔ یہ بنی اسرائیل ہی تھے جو مصر میں رہتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے ان کو نجات دلائی تھی۔ یہی بنی اسرائیل ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں کی آخری بڑی تقسیم پیش آئی تھی۔ کچھ اسرائیلیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کے طور پر مانااور کچھ نے انکار کردیا۔ (القرآن ۶۱:۱۴) عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے والے آج یہودی کہلاتے ہیں' اور یہی لوگ فلسطین کی متبرک سرزمین کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ گردانتے ہیں۔ کچھ عیسائی بھی ان کے اس مطالبہ کی حمایت اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ تورات ان کی بائبل کا ایک حصہ ہے۔

ج) جواز کی تسلیم وتوثیق

ہم نے واضح کیا ہے کہ دراصل اسرائیل کی یہودی ریاست کی تسلیم و توثیق ہی اسرائیل کے حق کو جائز قرار دینا ہے۔ کوئی ملک بھی اسرائیل کی ریاست کو قبول کرتے ہوئے اس کے اس حق کو ناجائز نہیں کہہ سکتا۔ یہ عالمی قانون کی رو سے ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن اسرائیلی ریاست کو جائز قرار دینا بنیادی طور پر دُنیا کی کسی اور ریاست کو جائز قرار دینے سے بہت مختلف ہے کیونکہ اسرائیل کی صورت میں اس کا تسلیم کرنا اس دعویٰ کو بھی تسلیم کرنے کے مترادف ہے کہ یہ متبرک سرزمین اللہ تعالیٰ نے خالصتاً بنی اسرائیل کو ہمیشہ کے لئے عطا کردی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم ان کے اس دعویٰ کو تسلیم کر رہے ہیں کہ فلسطین کی متبرک سرزمین پر آج کے یہودیوں کو بھی خدائی حق حاصل ہے۔ "تسلیم" کرنے کا اس سے بھی زیادہ خطرناک مطلب یہ ہے کہ اسرائیل کی ریاست کو جائز تسلیم کرنا فلسطین پر یہودیت کا حق مان لینا ہے اور یہودیوں کو اللہ کے چنیدہ بندے تسلیم کرلینا ہے۔ جبکہ قرآن کے مطابق یہ جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے' لہٰذا شرک

ہوا۔ گویا خالص دینی لحاظ سے اسرائیل کی یہودی ریاست کو تسلیم کرنا مسلمانوں کے لئے شرک میں مبتلا ہونا ہے جو اسلام میں ناقابل معافی گناہ ہے۔

سچائی کا دین ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ اسلام ابراہیمؑ کا دین ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے دین کے علاوہ کوئی اور دین نہیں ہے۔ لیکن قرآن میں بار بار ذکر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا دین شرک سے پاک ہے۔ اسرائیل کے جواز کا دعویٰ شرک پر منتج ہوتا ہے۔ لہٰذا اسرائیل کو تسلیم کرنے سے گویا مسلمان ابراہیم علیہ السلام کے دین سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ تورات وحی الٰہی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ چنانچہ یہ اسی طرح ہے جیسے انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا گیا۔ قرآن خود یہودیوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس جدید وحی کو جو تورات کی تصدیق کرتی ہے اور اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے' قبول کرلیں۔

> "اور اس کو قبول کرو جو میں نے نازل کی (قرآن) جو اس کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے (تورات) اور اس سے انکار میں پہل نہ کرو"۔ (البقرۃ ۲:۴۱)

جس طرح یہودیوں سے قرآن کو تسلیم کرنے کا مطالبہ ہے اسی طرح مسلمانوں سے تورات کو بطور اللہ کا کلام تسلیم کرنے کا مطالبہ ہے' وہ تورات جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ لیکن کیا مسلمان موجودہ تورات میں لکھا ہوا کوئی ایسا مطالبہ تسلیم کریں جو قرآن کی رُو سے غلط ہے؟ قرآن یہودیوں پر الزام لگاتا ہے کہ انہوں نے تورات میں تحریف کردی ہے' نتیجتاً یہ مستند نہیں رہی۔ درحقیقت قرآن مجید کا ایک عمل یہ بھی ہے کہ یہ الفرقان یعنی کسوٹی ہے جس سے انسانیت ان تبدیلیوں کی نشاندہی کر سکتی ہے جو انسانوں نے اللہ کی اصل کتاب' تورات اور انجیل میں کردی ہیں۔

زیر نظر کتاب اللہ تعالیٰ کی وحی (یعنی القرآن) کو کسوٹی کے طور پر استعمال کرنے کے لئے طریق کار کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ قرآن کو کسوٹی بنا کر پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ کیا مندرجہ ذیل کام اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں:

۱) اسمٰعیل علیہ السلام کو اپنے عہد اور میثاق سے خارج کیا؟
۲) کنعان کی متبرک سرزمین (یعنی فلسطین) صرف یہودیوں کو ہمیشہ کے لئے عطا کی؟
۳) یہودیوں کو متبرک سرزمین کا غیر مشروط مالک بنایا؟

(باقی صفحہ ۶۳ پر)